Anayetullah Ansari

Assistant Professor Department of URDU

RBGR Collage Maharajganj SIWAN Bihar

Contact No. 9031431678 / 6201471567

Email : anayetullahansari@rediffmail.com

“Iqbal ki nazm Masjid-e-Qartaba”

(Matan aurTashreeh)

BA URDU (Hons) Part-II (Paper-IV

”مسجد قرطبہ-متن اور تشریح“

تعارف:

علامہ اقبال کے افکار و نظریات اور تصورات و خیالات مسلم معاشرے کے عکاس ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان بھی اپنے اشعار میں رقم کی ہے۔ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے اسلاف کی عظمت و سطوت کے متعلق بتایا ہے۔ مسجد قرطبہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جامع قرطبہ کا اگرچہ پرانا جاہ و جلال باقی نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ صفحہ ہستی پر پوری آب و تاب سے موجود ہے۔ اس کی بنیاد عبدالرحمٰن اوّل نے رکھی تھی جو ہسپانیہ میں اموی سلطنت کا بانی تھا۔ پھر اس میں مختلف بادشاہ اضافہ کرتے چلے گئے۔ آخری اضافہ عامر المنصور نے کیا تھا جو اگرچہ وزیر اعظم تھا لیکن اسے ہسپانیہ میں مختارِ کل کی سی حیثیت حاصل تھی۔

مسجد کا طول چھ سو بیس فٹ اور عرض چار سو چالیس فٹ تھا۔ دنیا کی کسی مسجد کا مسقف حصہ اتنا بڑا نہیں جتنا کہ اس مسجد کا تھا۔ اس میں ایک ہزار چار سو سترہ ستون تھے جن کی جلا کا یہ عالم تھا کہ انسان ان میں اپنا عکس دیکھ سکتا ہے۔ مسجد کی مختلف دیواروں میں اکیس دروازے تھے جن پر پیتل کا بے حد خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ اس کا مینار جس سے اذان کہی جاتی تھی، ایک سو آٹھ فٹ بلند تھا۔ چوٹی پر چاندی اور سونے کے سیب نما گولے نصب کر دیئے گئے تھے۔ سورج کی شعاعیں ان پر پڑتیں تو میلوں سے چمکتے دمکتے نظر آتے۔ روشنی کے لئے مسجد میں دو سو اسی بلوری جھاڑ آویزاں تھے۔ سب سے بڑے جھاڑ میں موم کی چودہ سو بتیاں جلتی تھیں۔ ان کے علاوہ پیتل کے سات ہزار چار سو پیالے دیواروں میں لگے ہوئے تھے جن میں تیل کی سی روشنی ہوتی تھی۔ شاہی مقصورہ کے تمام ستون لاجورد کے، دروازے چاندی اور سونے کے تھے۔ مسجد کا منبر آبنوس، صندل اور ہاتھی دانت کے چھتیس ہزار ٹکڑوں کو سنہری کیلوں سے جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس کی تیاری میں سات سال لگے تھے غرض یہ مسجد عجوبہ روزگار تھی۔ اندلس کے بڑے بڑے علماء نے اس میں تعلیم پائی تھی اور اسی میں وہ درس دیتے رہے تھے۔ اقبال نے اس کی عظمت زائل ہو جانے سے کم و بیش پانچ سو سال بعد اسے دیکھ کر جو اثرات قبول کئے ان کو اپنی نظم میں زیب قرطاس کیا۔

بند 1

سلسلۂ روز و شب، نقش گر حادثات — سلسلۂ روز و شب، اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ — جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب، ساز ازل کی فغاں — جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ — سلسلۂ روز و شب، صیرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار — موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا — ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات!
آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر — کار جہاں بے ثبات، کار جہاں بے ثبات!

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نَو، منزل آخر فنا

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

رات اور دن کا سلسلہ یعنی زمانہ پیدا ہونے اور مرنے والی چیزوں کا نقش تیار کرتا ہے۔ رات اور دن کا سلسلہ ہی دراصل زندگی اور موت کی اصل ہے۔ مراد ہے کہ زمان و مکان کے بغیر تغیرات کا تصور نہیں ہوسکتا، تغیر کا مطلب ہے چیزوں کا پیدا ہونا اور ختم ہونا بلکہ فلسفیوں کے نزدیک اس دنیا کے خاتمے کی دلیل ہے کہ اس میں ہر چیز بدلتی رہتی ہے، کوئی پیدا ہوتی ہے اور کوئی فنا ہو جاتی ہے۔ جو آج ہے کل وہ نہیں وہ بہرحال حادث ہے۔ اس کا تصور ہمیں زمانے ہی میں ملتا ہے لہٰذا زمانہ چیزوں کا پیدا کرنے والا اور مارنے والا ہے اور ہمارے تصورات کے مطابق بھی زندگی اور موت کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہم زمانے کی حد سے باہر نکل جائیں تو موت، حیات کا یہ تصور بھی ختم ہو جائے۔

شعر 2:

رات اور دن کا سلسلہ دو رنگے ریشم کا تار ہے جس سے ذات باری تعالیٰ اپنے لئے صفات کا لباس تیار کرتی ہے۔ اس شعر میں شاعر نے رات اور دن کو ریشم کے دو تار قرار دیا ایک سیاہ یعنی رات اور دوسرا سفید یعنی دن۔ وہ کہتا ہے کہ ذات کو اس کی اصل صورت میں تو دیکھا نہیں جا سکتا جب وہ صفات کا لباس پہن لیتی ہے تو اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ وہ خالق ہے، پروردگار ہے، مالک ہے، حافظ ہے، باری ہے وغیرہ یہ تصورات زمانے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

شعر 3:

رات دن کا سلسلہ وہ فریاد ہے جو ازل کے ساز سے پیدا ہوئی۔ اس سے ذات باری تعالیٰ کا مدعا یہ تھا کہ کائنات میں جو صلاحیتیں رکھی گئی ہیں، وہ زیروبم کی شکل میں ظاہر ہو جائیں یعنی روز و شب کا سلسلہ تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہو گیا اور اسی میں انسان نے ممکنات کائنات کو روشنی میں لانا شروع کیا۔ مراد یہ ہے کہ کائنات کی صلاحیتیں زمانے ہی کے سلسلے میں ظاہر ہوسکتی ہیں چونکہ اس شعر کے پہلے مصرعے میں زمانے کی ساز ازل کی فغاں کہا گیا۔ ساز میں زیروبم یعنی اونچے نیچے مدہم بلند دونوں قسم کے سُر ہوتے ہیں اس لئے ممکنات کے ساتھ زیروبم استعمال کیا۔ کائنات کی صلاحیتوں میں بعض چیزیں بہت نمایاں ہوتی ہیں، بعض غیر نمایاں ہوتی ہیں لہٰذا زیروبم کا استعمال بہت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ ساز ازل کی نوا کے بجائے فغاں کا لفظ کیوں استعمال کیا اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ شاعر کے نزدیک ساز ازل کی جو تار تخلیق کا باعث ہوئی وہ روحوں کے لئے اصل سے مفارقت کا پیغام تھی۔

شعر 4:

رات اور دن کا سلسلہ کائنات کا صراف ہے یعنی وہ ہر چیز کو پرکھتا ہے۔ کھوٹا کھرا الگ کر دیتا ہے۔ نہ میں اس امتحاں سے آزاد ہوں نہ تو اس امتحاں سے آزاد ہے۔ زمانے کی کسوٹی سب کے لئے یکساں ہے۔ زمانہ آئینہ ایام ہے' کسی کا خیال نہیں کرتا جو کچھ ہے وہی دکھاتا ہے

شعر 5:

تو ہو یا میں' جو وجود ہی وزن اور خاصیت میں کم حیثیت ثابت ہو' زمانہ اسے مٹا دیتا ہے۔ اس کی قسمت میں موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا یعنی ان کو مرگ مفاجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کوئی ان کے لئے کارآمد ثابت نہیں ہوتا بلکہ حادثات دہر ان کی ہستی کے پرزے اُڑا دیتی ہے۔

شعر 6:

میرے دن اور رات کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ زمانے کے رویے اور زمانہ دن اور رات کی تمیز سے بے نیاز ہے۔ شاعر یہاں حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ زمانہ بالفاظ دیگر زندگی ایک مسلسل دور کا نام ہے جو کبھی بدلتی نہیں اور جس کا تسلسل کہیں ٹوٹا نہیں لہٰذا اسی کے باب میں دن اور رات کی تمیز دراصل کوئی حقیقت نہیں رکھتی جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے:

تو اسے پیمانہ امروز فردا سے نہ ناپ
ہے جواں' ہر دم رواں' پیہم دواں ہے زندگی

شعر 7:

انسانی ہنرمندی نے جتنی حیرت انگیز چیزیں اب تک بنائیں' وہ سب تھوڑی دیر کے لئے ہیں اور جلد فنا ہو جانے والی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جہان آب و گل کا سارا نظام پائیدار اور بے ثبات ہے اس کی کسی چیز کو قرار حاصل نہیں ہے۔

شعر 8:

دنیا کی ہر چیز اوّل و آخر سب فنا ہے۔ باطن و ظاہر بھی فنا ہے۔ کوئی نقش نیا ہو یا پرانا اس کی منزل فنا کے سوا کوئی نہیں یعنی کائنات کی ہر شئے کو فنا ہے۔ بقاء صرف ذات خداوندی کو حاصل ہے۔

بند 2

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات' موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام!

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرم، عشق امیر جنود عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام!
عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات!
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

بے شک دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اس نقش میں ہمیشہ کی پائیداری کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی مردِ حق کے ہاتھ سے مکمل ہو۔ مردِ حق یا مردِ خدا سے وہ انسان مراد ہے جس کے تمام کام خدا کی رضا کے تابع ہوں اور وہ احکام خداوندی کی روشنی میں زندگی بسر کرے۔

شعر 2:

سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے نقش کو کیوں دائمی پائیداری حاصل ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ مردِ حق کا ہر کام عشقِ حق کی بدولت فروغ پاتا ہے۔ عشقِ حق زندگی کا جوہر اور روح ہے۔ اس پر موت وارد نہیں ہو سکتی، اسے مٹا دینا موت کی دسترس سے باہر ہے۔

شعر 3:

بلاشبہ زمانے کی رو بڑی تیز ہے اور اس کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ وہ نئی نئی صورتیں پیدا کرتی اور مٹاتی رہتی ہے۔ اسے روکنا ممکن نہیں لیکن عشقِ حق خود ایک تیز و تند سیل ہے جو زمانے کے سیل کو روک لیتا ہے یعنی عشق پر زمانے کا عمل جاری نہیں ہو سکتا۔

شعر 4:

جس طرح ہمارے ہاں جنتریاں اور کیلنڈر آتے ہیں اور ان میں دنوں اور مہینوں کے حساب درج کیے جاتے ہیں اسی طرح عشقِ حق کی جنتری ہے جس میں زمانوں کے حساب لکھے جاتے ہیں۔ اس جنتری پر نظر رکھیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس میں اسی زمانے کا حساب درج نہیں جو جاری ہے اور جسے دنیا زمانہ کہتی ہے بلکہ اس میں اور زمانے بھی ہیں جن کا کوئی نام نہیں بتایا جا سکتا۔ مراد یہ ہے کہ جو زمانہ رات اور دن کے سلسلے سے بنتا ہے اس کی خاصیت تو بے شک یہی ہے کہ وہ چیزوں کو بناتا اور مٹاتا رہتا ہے۔ اگر عشقِ حق کا معاملہ اسی زمانے تک محدود ہوتا تو وہ فنا کی دسترس سے باہر نہ رہ سکتا چونکہ اس کے ہاں اور زمانے بھی ہیں لہٰذا وہ رات اور دن والے زمانے کے اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

شعر 5:

دنیا میں پاکیزگی اور طہارت، روحانیت اور برتری کے جتنے پاکیزہ اور نورانی نمونے نظر آتے ہیں، وہ سب عشق حق کے مختلف جلوے ہیں۔ گویا عشق حق مختلف لباسوں، مختلف شکلوں اور مختلف پیکروں میں تجلی پذیر ہوتا ہے مثلاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کا سانس اور آواز بھی عشق ہی کا ایک جلوہ تھا۔ حضور رسول اللہ ﷺ کے قلب طاہر و اطہر کا نور ہی عشق حق کا ایک کرشمہ تھا۔ عشق ہی خدائے پاک کا تجلی بن کر اس دنیا میں آیا اور انسانوں کو راہ حق پر لگایا۔ عشق ہی خدا کا کلام ہے جس کی بدولت دلوں اور روحوں کے اندھیرے میں اُجالا ہوتا ہے اور اخلاق کا بگڑا ہوا نقشہ اصلاح پاتا ہے۔

شعر 6:

عشق حق ہی کی بدولت مٹی کے اس پتلے میں جسے انسان کہتے ہیں، آب و تاب پیدا ہوئی اور اس نے علم و عرفان اور ہدایت و سعادت کے وہ نمونے پیش کئے جن کی روشنی کبھی ماند نہ پڑے گی۔ عشق خالص شراب ہے جس کی تیزی اور تندی میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ عشق ان کریموں کا پیالہ ہے جن کے فیض سے ہر شخص بہرہ یاب ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ دستگیری کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اگر کوئی محروم رہ جائے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔

شعر 7:

عشق حق کبھی کعبے کے اس پاک باطن عالم کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو شریعت کے نکتے سب کو سکھاتا ہے، کبھی ان لشکروں کی سالاری کا فرض سرانجام دیتا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ غرض عشق حق کے ظہور کے لئے بے شمار شکلیں ہیں۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک ایسا مسافر ہے جس کے ہزاروں مقام ہیں اور ان کا حساب مشکل ہے۔

شعر 8:

محض عشق حق ہی کی مضراب ہے جو ساز زندگی کے تاروں سے نغمے پیدا کرتی ہے۔ اس کی بدولت زندگی نورانی ہستی ہے اور اسی کی بدولت زندگی میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عشق حق نہ ہوتا تو زندگی کے ساز سے کوئی نغمہ نہ نکل سکتا۔ یہ ساز بالکل بے نوا رہتا اور عشق کے ہی باعث زندگی میں جمال اور جلال شان پیدا ہوتی ہے۔

بند 3

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود — عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت — معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود!
قطرہ خون جگر، سل کو بناتا ہے دل — خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود!
تیری فضاء دل فروز، میری نوا سینہ سوز — تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود

عرش معلّٰی سے کم سینہ آدم نہیں　گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا　اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود!
کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق　دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ھو میرے رگ و پے میں ہے

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

اے قرطبہ کی مسجد! تو بھی عشق کی بدولت وجود میں آئی۔ عشق سر سے پاؤں تلک ہمیشگی ہے اس کے لئے فنا نہیں ہے۔

شعر 2:

رنگ ہو یا اینٹ اور پتھر ساز ہو یا لفظ و آواز غرض کوئی فن ہو اس کا کمال جگر کے خون سے نمایاں ہوتا ہے۔ عشق کی بدولت ہی معجزہ فن ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مسجد قرطبہ بھی اسی عشق کے جذبہ سے بنی تھی۔

شعر 3:

خون جگر کا قطرہ پتھر کی سِل کو دل کی طرح احساس اور تڑپ کا پیکر بنا دیتا ہے۔ جگر کے خون ہی سے آواز میں سوز کیف اور نغمہ پیدا ہوتا ہے یعنی آواز خواہ شاعری کی ہو خواہ داعی کی خواہ کسی اور کی وہ اسی وقت دلوں میں حرارت پیدا کرتی ہے اور روحوں کو عمل کے لئے بے خود بنا دیتی ہے جب اس میں عشق کا جذبہ موجود ہو۔

شعر 4:

مسجد سے مخاطب ہو کر اقبال کہتے ہیں کہ تیری فضاء دلوں کے لئے روشنی کا سامان ہے۔ میری نوا سے سینوں میں حرارت اور تڑپ پیدا ہوتی ہے تو دلوں کو حضور حق میں پہنچاتی ہے۔ میں دلوں کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتا ہوں اور ان میں انشراح پیدا کرتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ تیری فضاء دلوں کو ہستی باری تعالیٰ کا یقین دلاتی ہے اور ان میں عبادت کا صحیح ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ میرے نغموں سے دلوں میں عشق باری تعالیٰ کی آگ بھڑکتی ہے۔

شعر 5:

انسان جو بظاہر گوشت پوست کا ایک جسم ہے لیکن اگر اس کا دل ایمان کے نور سے منور ہو جائے تو وہ عرش معلیٰ سے کم نہیں رہتا۔ عرق معلیٰ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ کی تجلیات کا خاص مرکز ہے۔ اگر بعض تجلیات کا نزول نور ایمان کی وجہ سے انسان کے سینے پر ہو جائے

تو اسے بھی عرش معلیٰ ہی سمجھا جائے گا بظاہر انسان اپنے خاکی جسم کے باعث آسمانوں سے آگے نہیں جا سکتا لیکن اس سے اس کی معنوی برتری میں کوئی حرف نہیں آتا۔

شعر 6:

عشق حق اور اور نور ایمان ہی کی بدولت انسان کا درجہ فرشتوں اور قدوسیوں سے بلند ہے۔ وہ اگرچہ ذات حق کو سجدے کرتے ہیں' اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں ہے:

نحن نسبح بک و نقدس لک.

کہیں انہیں سوز و گداز کا وہ مقام حاصل ہے جس سے صرف انسان بہرہ مند ہے۔ عشق میں تکلیفیں اُٹھانے' مصیبت برداشت کرنے اور جلتے رہنے کی وہ سعادت جو انسان کو نصیب ہوئی وہ کسی اور کو کہاں حاصل۔

شعر 7:

میں ہندی کافر ہوں یعنی مجھے ایمان کا وہ مقام حاصل نہیں جو اہل حق کو حاصل ہے لیکن اے مسجد! میرے ذوق وشوق کی کیفیت دیکھ کر یہاں پہنچتے ہی میرا دل نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں مگن ہے اور میرے لب پر بھی درود وسلام جاری ہے۔

شعر 8:

میرا لب و لہجہ بھی شوق سے لبریز ہے' میری بانسری میں بھی شوق کے سوا کچھ نہیں اور میرے جسم کا ریشہ ریشہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے اور اس سے اللہ ھو کی صدا بلند ہو رہی ہے۔

بند 4

تیرا جلال و جمال' مرد خدا کی دلیل — وہ بھی جلیل و جمیل' تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار — شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل!
تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور — تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں' کہ ہے — اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود' اس کا اُفق بے ثغور — اس کے سمندر کی موج' دجلہ ڈینیوب و نیل!
اس کے زمانے عجیب' اس کے فسانے غریب — عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل!
ساقی ارباب ذوق' فارس میدان شوق — باں ہے اس کا رحیق' تیغ ہے اس کی اصیل!

مرد سپاہی ہے' وہ اس کی زرّہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

اے مسجد قرطبہ! تیری شان وشوکت اور حسن و جمال کو دیکھ کر مرد خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنے اوصاف میں صاحب شان وشوکت اور صاحب حسن و جمال ہوتا ہے جس طرح تو شان وشوکت اور حسن و جمال کا پیکر ہے۔

شعر 2:

تیری عمارت نہایت پختہ اور مضبوط ہے جس پر کم و بیش بارہ سو سال گزر چکے ہیں اور ابھی تک اپنی اصل حالت پر قائم ہے۔ تیرے ستون گنے نہیں جا سکتے' انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ملک شام کے جنگل میں کھجوروں کے درختوں کا جھنڈ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ مسجد کے تمام ستون ایک ہزار چار سو سترہ تھے۔ انسان ستونوں کے درمیان کھڑا ہو جائے تو حیران رہ جاتا ہے اور ان کی گنتی نہیں کر سکتا۔ پھر ان ستونوں کے لئے تشبیہ نہایت پاکیزہ پیدا کی۔ شام کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ وہاں کھجوروں کے درخت بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی وضع و ہیئت راستی میں ستونوں سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے نہیں کہا کہ مسجد کا بانی اور اس کے اسلاف شام سے نکل کر اندلس پہنچے تھے اور وہاں انہوں نے عالی شان سلطنت قائم کی تھی۔ گویا اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر کے دوران میں اپنے اصل وطن کا سب سے دلکش نظارہ ان کے سامنے رہا اور وہی نظارہ انہوں نے مسجد کی تعمیر میں پیدا کر دیا۔

شعر 3:

تیرے دروازوں اور چھت برداری سینا کا نور جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ تیرا وہ مینار جس پر اذان کہی جاتی تھی' ایک سو آٹھ فٹ بلند ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔

شعر 4:

مسجد کی پائیداری کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کے دل میں ملت اسلامیہ کی پائیداری تازہ ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ مسلمان کہیں نہیں مٹ سکتے اور کیوں مٹیں؟ ان کی اذانیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کے راز بے نقاب کر رہی ہیں یعنی اس دین حق کو دنیا میں پھیلانا مسلمان کا وظیفہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یا دوسرے نبی اسی دنیا میں لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دین اسلام کو جو خاص نسبت ہے' وہ کسی شرح کی محتاج نہیں۔

شعر 5:

اسلامی وطن کی کوئی حد نہیں' روئے زمین کا ہر ٹکڑا اور ہر گوشہ مسلمان کا وطن ہے۔ اس کا اُفق حد بندی سے بے نیاز ہے۔ دریائے دجلہ' دریائے ڈینیوب اور دریائے نیل اس سمندر کی لہریں ہیں۔ غرض مسلمان عرب سے نکلے اور پوری دنیا پر چھا گئے۔ کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام کی تعلیمات نہ پہنچی ہوں۔

شعر 6:

مسلمان قوم اس دنیا میں نہایت جرأت انگیز کارنامے انجام دے چکی ہے اور اس کی سرگزشت کے دور سب کے لئے تعجب خیز ہیں۔ اس کے جوشِ ہمت اور عزم و جواں مردی کی ذات میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کوئی دوسری قوم ان داستانوں کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے پرانے زمانے کو کوچ کا پیغام دیا اور اس عہد کی بنیاد رکھی جسے تہذیب شائستگی' علم نفیس اور کمال فنون کا خاص عہد کہا جاتا ہے۔

شعر 7:

جن اصحاب میں روحانی ذوق تھا' ان کے لئے دل پسند شراب مہیا کی وہی تھا جس نے عشق حق کے میدان میں شہسواری کے جوہر دکھائے۔ اس کی شراب خالص اور مصفا ہے۔ اس کی تیغ اصیل ہے جس کی کاٹ کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

شعر 8:

مسلم قوم سپاہی ہے اس کی زرہ کلمہ توحید کے سوا کچھ اور نہیں یعنی وہ اس کلمہ کو لے کر اُٹھتا ہے اور یہی اس کے جہاد کا پورا سروسامان ہے۔ تلوار کے سایہ میں بھی اس کی پناہ گاہ کلمہ توحید ہے یعنی وہ توحید ہی کی دعوت دیتا ہے اور توحید ہی کو اپنی زندگی کا مقصد اوّلین سمجھتا ہے اسی لئے جیتا ہے اور اسی کی خاطر قربان ہو جاتا ہے۔ ایسی قوم کیونکر مٹ سکتی ہے۔

بند 5

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش' اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند ان کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق' اس کا نیاز' اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا' کار ساز

خاکی و نوری نہاد' بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دل بے نیاز

اس کی اُمیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز

نقطہ پرکار حق' مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

ترجمہ وتشریح

شعر 1، 2:

اے مسجد قرطبہ! تجھے دیکھ کر بندۂ مومن کی حقیقی شان آشکار ہوتی ہے۔ اس شان کی خصوصیتیں کیا ہیں؟ یہ کہ مومن دن کے اوقات میں عشق حق کے جذبے سے سرشار ہو کر انتہائی سرگرمی اور جاں فشانی سے مصروف کار رہتا ہے۔ خدا کے احکام کی تعمیل کرتا اور کراتا ہے۔ اس کے بندوں کے لئے راحت اور آسائش کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ انہیں باطل قوتوں کی ضرر رسانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ غرض اس کا سارا وقت ایسے ہی کاموں میں گزر جاتا ہے۔ رات آتی ہے تو وہ خدا سے لو لگاتا ہے، اس کے سامنے روتا ہے، دعائیں کرتا ہے۔ ہر کام میں خدا ہی سے مدد اور نصرت کے لئے التجا کرتا ہے۔ یوں اس کے دن اور رات گزرتے ہیں۔

اے مسجد قرطبہ! تو اس کی محنت، مشقت، سرگرمی اور جانفشانی کا ایک زندہ کارنامہ ہے۔ تو اس لئے تعمیر ہوئی کہ مومن رات کے اوقات میں تیرے اندر بیٹھ کر خدا کی بارگاہ میں دعائیں کرے۔ تیری عمارت کی رفعت اس کے مقام بلند کا کھلا ثبوت ہے۔ تیری وسعت سے اس کے بڑے بڑے ارادوں کا پتہ چلتا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خیالات کتنے وسیع ہیں۔ پھر اس نے تجھے انتہائی ذوق سے بنایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذوق وشوق کس درجہ پاکیزہ تھا تو اس غرض سے بنی کہ مومن تجھ میں خدا کے سامنے سجدہ نیاز وسعادت مندی کرتا رہے۔ اس نیازمندی میں بھی ناز کی ایک عجیب شان آشکارا ہے۔ یہ تیرے چپے چپے کے حسن تعمیر سے ٹپک رہی ہے یعنی تو ایک نادر نمونہ ہے اور مسلمانوں کے اسلاف کی ایک عمدہ تعمیر ہے جس سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا پتہ چلتا ہے۔

شعر 3:

بندہ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، خدا کے لئے کرتا ہے۔ اس کا کوئی عمل ذاتی غرض سے آلودہ نہیں ہوتا لہٰذا اللہ اپنی رحمت سے اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کی شان پیدا کر دیتا ہے مثلاً مومن کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کی طرح سب پر غالب رہتا ہے۔ وہ سب کو حسن عمل کا راستہ دکھاتا ہے۔ کسی کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اسے دور کر دیتا ہے اور کسی کا سلسلہ اگر بگڑ جائے تو اسے سنوار دیتا ہے یعنی مومن کی برکت سے لوگوں کی سرگرمیاں صحیح مسلک پر رہتی ہیں۔ ان کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ ان کی بگڑی ہستی کے لئے باطل قوتوں کے لئے اُبھرنے کا کوئی موقع نہیں دیتا۔

یہ شعر اس حدیث قدسی کا مفہوم پیش کرتا ہے جو صحیح بخاری کی کتاب الرقاق میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس کا متعلقہ ٹکڑا یہ ہے:

''باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلوں کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔''

جب انسان اپنا وجود رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دے اور سچا مومن بن جائے تو یقیناً اس کا ہر کام خدائی کام بن جاتا ہے اس لئے کہ اس سے خدا کی رضا کے سوا کچھ مقصود نہیں ہوتا اور وہ عین خدائی حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

شعر 4:

بندۂ مومن اگرچہ جسم کے اعتبار سے خاکی ہوتا ہے لیکن فطرت وطبیعت کے لحاظ سے اس کے نوری ہونے میں کسی قسم کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے اندر اپنے آقا و مولا کی صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل بے نیاز دنیا اور عقبیٰ کی کسی چیز پر نہیں ٹھہرتا۔ اس کا مقصود ذات باری تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

شعر 5:

اس کی اُمیدیں بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے کسی کام کے لئے دنیا والوں سے اجرت اور معاوضے کا خواہاں نہیں ہوتا۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس دنیا میں خدا کی رضا پوری ہو جائے۔ کہنے کو یہ معمولی مقصد ہے لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو اس سے زیادہ بڑا مقصد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں وہ تمام مقاصد آ جاتے ہیں جنہیں اس دنیا کے بڑے بڑے انسانوں نے اپنا نصب العین بنایا مثلاً خلق خدا کی بہتری' بہبود اور امن عالمگیر اخوت ومساوات تمام انسانوں' خدا کے سچے بندے بنانا اور سب کو اس کی چوکھٹ پر جھکانا دنیا میں اس سے بڑا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے جو مدفن کا نصب العین بنیں؟ اس کی پوری زندگی دیکھ کر انسانوں کے دلوں میں محبت اور احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کسی پر عتاب کی نگاہ نہیں ڈالتا' ہر ایک کی دل نوازی کرتا ہے۔

شعر 6:

وہ بات چیت کرتا ہے تو بہت نرمی سے تلاش حق میں انتہائی سرگرمی دکھاتا ہے۔ میدان جنگ کا معاملہ ہو یا دوستوں کی محفل جم جائے۔ مومن دونوں جگہ پاک طبیعت پاکبازی کا پیکر ہوتا ہے۔ یعنی وہ میدان جنگ یا مجلس شوریٰ میں کبھی خدا کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہی پاک دلی اور پاکبازی کا پہلا اور آخری معیار ہے کہ انسان زندگی کے ہر شعبے اور ہر حصے میں خدا کے حکموں کے مطابق چلے اور اُن سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو نیز وہ اپنی حرکت میں صرف خدا کی رضا پیش نظر رکھے۔

شعر 7:

دنیا میں مردمومن ہی کا ایمان و یقین وہ مرکز ہے جس پر خدا کی پرکار گھومتی ہے۔ اس کی وجہ سے خدا کی رضا لوگوں کا نصب العین بنتی ہے لہٰذا وہی اس دنیا میں حقیقی چیز ہے' باقی جو کچھ ہے وہ سراسر وہم ہے' دھوکا اور مجاز ہے یعنی مردمومن کے ایمان و یقین کے سوا اس دنیا کی کسی شئے کو پائیداری اور استواری نصیب نہیں۔

شعر 8:

مردمومن ہی عقل سلیم کا سرچشمہ ہے اسی کو عشق حق کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کائنات کی محفل میں جو رنگ و بو اور رونق وجلوہ افروزی نظر آتی ہے وہ اسی کے دم سے ہے۔

بند 6

کعبہ ارباب فن! سطوت دین مبین — تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر — قلب مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں!
آہ وہ مردان حق! وہ عربی شہسوار — حامل ''خلق عظیم'' صاحب صدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب — سلطنت اہل دل فقر ہے' شاہی نہیں!
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب — ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندلسی — خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال — اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے!
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے!

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

اے مسجد! جن لوگوں نے فن تعمیر میں درجہ کمال حاصل کیا' تیری عمارت ان کے لئے کعبے کا حکم رکھتی ہے یعنی انتہائی عزت کی مستحق ہے اور وہ لوگ اس سے تعمیر کے نئے نئے نکتے سمجھتے ہیں۔ تیری وجہ سے دین اسلام کی شوکت' عظمت نمایاں ہے۔ تیری برکت سے اندلسیوں کی سرزمین یعنی خود اندلس انتہائی عزت واحترام کی حقدار بن گئی ہے۔

شعر 2:

اس آسمان کے نیچے تیرے حسن وخوبی کی اگر کوئی مثال ہے تو وہ روئے زمین پر تو موجو نہیں البتہ مسلمان کے قلب میں مل سکتی ہے یعنی مسلمان ہی پھر ایسی خوبصورت اور عالی شان عبادت

گاہ بنا سکتے ہیں جو اور کوئی نہیں بنا سکتے۔

شعر 3:

اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسجد کے بانیوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ آہ! خدا کے وہ پاک بندے، وہ عرب کے شہسوار جو حضرت رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کا نمونہ تھے۔ وہ جنہیں سچائی، ایمانداری، راست بازی اور یقین میں نہایت اونچا مرتبہ حاصل تھا، اب کہاں چلے گئے۔

شعر 4:

وہ جن کی حکومت نے عجیب و غریب نکتہ دنیا پر واضح کیا کہ دل والوں کی سلطنت فقیری ہوتی ہے، بادشاہی نہیں یعنی وہ اس لئے نہیں آئے کہ بڑے بڑے محل بنائیں اور اپنے گرد عظمت و برتری کے حیرت انگیز سامان جمع کر لیں۔ وہ فقر اور درویشی کا تحفہ لے کر آئے ہیں۔ خود کم سے کم میں گزارہ کرتے ہیں اور ہر چیز خلق خدا کی بہتری، بہبود اور راحت و آسائش کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ یہی وہ سلطنت ہے جس کا پیغام اسلام دنیا میں لایا۔ یہی وہ حکمرانی ہے جس کا بہترین نمونہ خلافت راشدہ نے پیش کیا جو عرب اندلس پہنچے تھے، وہ بھی یہی نمونہ لے کر گئے تھے اور اسی کی وجہ سے خود اندلسی مسیحیوں نے اپنے بادشاہ کو چھوڑ کر ان مسلمان عربوں کا ساتھ دیا تھا۔

شعر 5:

وہی مردان حق تھے جنہوں نے مشرق و مغرب کی صحیح تربیت کی اور یورپ کے اندھیرے میں صرف وہ تھے جن کی عقلیں صحیح راستہ دیکھنے والی تھیں۔ انہی کی بدولت یورپ میں علم و دانش کے چراغ روشن ہوئے اور اہل یورپ کے لئے خشت و جہالت کے دور سے نکل کر علم و تہذیب کے دور میں آنے کا ساز و سامان فراہم ہوا۔

شعر 6:

یہ لوگ خلق عظیم کے ایسے پیکر تھے جن کا لہو آج تک اندلسیوں کی رگوں میں دوڑ رہا ہے اور یورپ کی دوسری قوموں کے مقابلے میں اندلس کے باشندے خوشدل، مہمان نواز، میل جول میں پُر تپاک، سادہ مزاج اور روشن پیشانیوں والے یعنی خوبصورت ہیں۔

شعر 7:

اندلس میں آج بھی ہرن جیسی آنکھیں ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہیں اور حسینوں کی نگاہوں کے تیر آج بھی دل میں پیوست ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حسن کی یہ علامتیں عربی خون کی آمیزش کی وجہ سے ہیں۔

شعر 8:

اندلس کی فضاؤں میں آج بھی یمن کی خوشبو موجود ہے اور اس کے نغموں میں آج بھی

حجازی رنگ نمایاں ہے۔ بوئے یمن سے اشارہ اس مشہور مگر بغیر مستند حدیث کی طرف ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو یمن کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آئی۔ بظاہر اس سے یہ مراد ہے کہ جو عرب ابتداء میں اندلس جا کر آباد ہوئے ان میں بڑا حصہ یمن کے عربوں کا تھا۔ ان کی نسل اب بھی وہاں موجود ہے نیز اندلس کی موسیقی دوسرے یورپی ملکوں کی موسیقی کے مقابلے میں حجازی موسیقی سے زیادہ مشابہ ہے۔

بند 7

دیدہ انجم میں ہے تیری زمین آسماں — آہ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضاء بے اذاں
کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے — عشق بلاخیز قافلہ سخت جاں!
دیکھ چکا المنی! شورش اصلاح دیں — جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت — اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب — جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر — لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
رُوح مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب — راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں!
دیکھیے اس بحر کی تہ سے اُچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا!

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

اے مسجد قرطبہ! ستاروں کی نظر میں تیری زمین کو آسمان کا رُتبہ حاصل ہے یعنی وہ بہت بلند رتبہ ہے۔ آہ! کہ صدیاں گزر گئیں اور تیری فضاء میں اذان کی آواز نہیں سنی گئی یعنی کسی نے تیرے صحن یا ماذنے سے اذان نہیں کہی۔

شعر 2:

کچھ معلوم نہیں کہ ہنگامے پیدا کرنے اور ہلچل ڈالنے والے عشق حق کا سخت جاں قافلہ کون سی وادی اور کون سی منزل میں محو استراحت ہے، وہ کب یہاں پہنچے گا اور کب تیری فضاء میں اللہ اکبر کی صدائیں پھر اسی طرح گونجنے لگیں گی جس طرح اسلامی دور میں ساڑھے سات سو سال تک گونجتی رہیں۔

شعر 3:

ملک ملک میں انقلاب پیدا ہوئے۔ جرمنی سے اصلاح دین کی تحریک اُٹھی جس نے پرانے زمانے کے تمام نقش مٹا کر رکھ دیئے۔

شعر 4:

یورپ کی جس معصومی پر عیسائیت نے ایک وسیع مذہبی نظام تیار کیا تھا' وہ معصومی حرف غلط کی طرح محو ہو کر رہ گئی۔ اس عہد میں کسی کو سوچنے اور غور کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کوئی شخص بائبل کا ترجمہ نہ کر سکتا تھا اور مذہب کے متعلق کوئی رائے نہ دے سکتا تھا۔ سب کی گردنیں پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے کارکنوں کے سامنے جھکی رہتی تھیں جو کچھ وہ کہہ دیتے اسی کو نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا لیکن مارٹن لوتھر کی تحریک نے یورپ کی معصومیت ختم کی تو لوگ دین میں غور و فکر کرنے لگے۔ حقیقت حال ان پر آشکارا ہوئی اسی وقت سے پرانا مذہبی ڈھانچہ بالکل برباد ہو گیا۔ اسی وقت سے آزادئ فکر کا وہ دور شروع ہوا جس نے آگے چل کر یورپ کو لادینی کی راہ پر ڈال دیا۔

شعر 5:

فرانسیسی کی آنکھ نے انقلاب کا نقشہ دیکھ لیا جس میں نہ محض فرانس کی پرانی شہنشاہی ختم ہوئی بلکہ یورپ کے پورے پرانے نظام سلطنت میں اُلٹ پلٹ شروع ہو گئی یعنی دوسرے ملکوں میں بھی بادشاہی کو ختم کر دیا گیا اور جمہوریت قائم کی گئی اور وہاں نئی تہذیب نے فروغ پایا۔

شعر 6:

رومی نسل کی ملت یعنی اہل اٹلی جو پرانی چیزوں کی پرستش کرتے کرتے بوڑھے ہو گئے تھے' وہ بھی مسولینی کی رہنمائی میں تجدید کی لذت سے جوان بن گئے یعنی ان میں بھی زندگی کی نئی روح پیدا ہو گئی اور وہ عظمت و برتری کے دعوے کرنے لگے۔

شعر 7:

مسلمان کی روح میں بھی آج وہی بے قراری' وہی تڑپ انگڑائی لے رہی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ خدا کا راز ہے' زبان میں طاقت نہیں کہ اسے کھول کر بیان کر سکے۔

شعر 8:

سمندر میں طوفان کے آثار نمودار ہیں' دیکھیں اس کی تہہ سے کیا ظاہر ہوتا ہے اور یہ نیلا آسمان جو ہمارے سر پر چھایا ہوا ہے کیا رنگ بدلے گا۔

بند 8

وادئ کہسار میں غرق شفق ہے سحاب — لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب!
سادہ و پُرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت — کشتیِ دل کے لئے سیل ہے عہدِ شباب!
آبِ رواں کبیر! تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اُٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے — لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی روحِ اُمم کی حیات کشمکش انقلاب!
صورت شمشیر ہے دستِ قضاء میں وہ قوم کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!
نقش ہیں سب ناتمام، خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خون جگر کے بغیر!

ترجمہ وتشریح

شعر 1:

پہاڑ کی وادی میں بادل شفق کی سرخی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج غروب ہوتے ہوئے بدخشانی لعل کے ڈھیر چھوڑ گیا۔ یہ غروب آفتاب کا نظارہ ہے، غروب کے ساتھ ہے جو شفق نمایاں ہوتی ہے اس کی سرخی ہے جو ہر شے پر تھوڑا بہت رنگ چڑھا دیتی ہے اور بادل کا کوئی ٹکڑا اُفق پر موجود ہو تو وہ سراسر سرخ ہو جاتا ہے۔ اسی کو شاعر نے سرخی کی بناء پر لعل بدخشانی کے ڈھیر سمجھا جو غروب آفتاب سے پیدا ہوئے اس لئے کہا یہ آفتاب چھوڑ گیا۔

شعر 2:

عین اسی حالت میں کسی دیہاتی لڑکی کا نغمہ فضاء میں گونجا اس کی لے بہت سادہ تھی اس لئے کہ دیہاتی لڑکیاں موسیقی کا فن سیکھ کر نہیں گاتیں، محض خوش گلو کی بدولت شوق پورا کر لیتی ہیں۔ سادگی کے باوجود اس لے میں درد اور سوز بھرا ہوا تھا۔ سچ ہے جوانی کا زمانہ دل کی کشتی کے لئے سیل کا حجم رکھتا ہے یعنی اسے جدھر چاہتا ہے، بہا لے جاتا ہے۔

شعر 3:

اے وادی کبیر! تیرے کنارے کوئی شخص بیٹھا ہوا کسی اور ہی زمانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ کوئی سے مراد یہاں خود اقبال ہیں۔

شعر 4:

وہ آنے والا زمانہ اگرچہ ابھی تک تقدیر کے پردے میں چھپا ہوا ہے اور ظاہر نہیں ہوا لیکن میری نگاہیں اس کے طلوع کو بے نقاب دیکھ رہی ہیں۔

شعر 5:

میں اگر اپنے تصورات کے چہرے سے پردہ اُٹھا دوں اور بتا دوں کہ کیا کچھ ہونے لگا ہے تو یورپ میری ان انقلابی باتوں کی تاب نہ لا سکے گا۔

شعر 6:

پھر زندگی کا ایک زرّیں اصول پیش کرتے ہوئے جس زندگی میں انقلاب رونما ہو، وہ زندگی نہیں موت ہے۔ قوموں کی روحیں انقلابی کشمکش ہی کی بدولت زندہ رہتی ہیں۔

شعر 7:

جو قوم ہر وقت اپنے اعمال کا حساب رکھتی ہے یعنی جانچ پڑتال کرتی رہتی ہے اسے اندازہ ہوتا رہتا ہے کہ کہاں لغزش ہوئی، کہاں ٹھوکر کھائی۔ وہ اپنی ہر لغزش اور ہر ٹھوکر کی تلافی کر لیتی ہے لہٰذا وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ کامیاب رہتی ہے اور قدرت کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیتی ہے یعنی اس سے قدرت اپنے سارے کام لیتی ہے۔

شعر 8:

جن نقوش میں جگر کا خون شامل نہ ہو وہ نامکمل رہتے ہیں۔ خون جگر کے بغیر شاعری بھی سودائے خام کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔